اسلامی دنیا میں ترجمے کی تحریک[1]

ترجمہ: ڈاکٹر شریف حسین قاسمی، دہلی یونیورسٹی

ہر نیا مذہب اپنے اصول و شریعت کو لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کام کے لیے سب سے پہلے اپنے ماننے والوں کی توجہ اپنے احکام اور اصولوں کی طرف مبذول کراتا ہے۔ اس لیے قدرتی بات ہے کہ اسلام میں علمی تحریکیں قرأتِ قرآن کریم، تفسیرِ قرآن اور احادیثِ نبوی کی تحصیل و تعلیم سے شروع ہوئیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے اور عظیم اُستاد کی حیثیت رکھتے ہیں جنھوں نے اپنے ماننے والوں کو شریعت، حقوق، اخلاق اور تاریخ کا درس دیا۔ آپؐ کے بعد آپ کے صحابۂ کرام نے آپ کی پیروی کی، اور آپ کی تعلیمات کو دوسروں تک پہنچایا۔

---

[1] فرانسیسی زبان میں ابراہیم مدکور کی کتاب "عرب دنیا میں ارغنونِ ارسطو" کے باب کا فارسی ترجمہ ایرانی رسالے "نشر دانش" سالِ سوم، شمارۂ پنجم، مرداد و شہریور، ۱۳۶۲ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ مضمون اسی کا اُردو ترجمہ ہے۔ مصنف نے اپنی کتاب میں تفصیلی حواشی بھی لکھے ہیں جو مترجم اسماعیل سعادت نے طوالت کے خوف سے حذف کر دیے ہیں، لیکن راقم نے بعض ضروری حواشی کا مطالب کی صراحت کی خاطر اضافہ کر دیا ہے۔

اسلام کا یہ طریقۂ درس و تدریس اسی حد تک محدود نہیں رہا، بلکہ جلد ہی مسلمانوں نے حصولِ علم کے لیے اسلام سے قبل عرب دنیا سے زیادہ متمدن دنیا کی طرف توجہ کی۔ اسلامی فتوحات نے مسلمانوں کا تسلط اس وسیع و عریض ممالک پر قایم کر دیا جو عظیم تہذیب و تمدن کے حامل تھے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی اکثریت نے مذہبِ اسلام کو قبول کیا۔ ایرانی، ہندوستانی، سریانی، مصری، مغربی دنیا اور اسپین کے لوگوں نے دینِ اسلام کو نیز شریعت کے سامنے گردن جھکا دی۔ جن لوگوں نے اپنے قدیم عقاید پر قایم رہنا چاہا، انھوں نے بھی سربراہانِ اسلام کے ساتھ تعاون کی راہ نکالی۔ خاص طور پر اسلام کے دورِ اوائل میں عربوں نے مفتوح اقوام کے ساتھ اعتدال اور نرمی کا رویہ اپنایا۔ بلاشبہ عربوں کا یہ طریقۂ کار بیشتر قوموں کی تاریخ میں آپ اپنی مثال ہے۔ یہاں کے اربابِ حل و عقد کی مخالفت و مخاصمت کے باوجود مسلمانوں اور یہودیوں یا مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ازدواجی رشتے قائم ہوتے رہے۔ تمام اسلامی قلمرو میں عربی نے ایک مشترک زبان کی حیثیت اختیار کر لی۔ حاذق طبیبوں اور عظیم دانشور حضرات کو اسلامی خلفاء کے درباروں میں تقرب حاصل ہوا۔ ایسے لوگوں میں عام طور پر یہودی، عیسائی اور خاص طور پر نسطوری[۵] شامل تھے۔ اس کے نتیجے میں اسلامی دنیا کے مختلف عناصر میں ربط و ضبط برقرار رہا اور اس نئی دنیا میں عقلی افکار کے وسیع پیمانے پر تبادلے اور اشتراک کو بہت رونق حاصل ہوئی اس طرح عربوں کا یونانی اور ایرانی تہذیب و تمدن سے براہِ راست سابقہ پڑا اور وہ تہذیب و تمدن اور ثقافت کے ان اہم دھاروں سے بلاواسطہ شدید طور پر متاثر ہوئے۔ آج اس بے بنیاد تصور کی کوئی حیثیت نہیں کہ قبل اسلام عرب دنیا نے اپنے زمانے کی دیگر تہذیبوں اور تمدنوں سے آنکھیں بند کر لی تھیں، البتہ یہ مسلّم ہے کہ اسلام نے دوسری قوموں سے نزدیکی روابط قایم کرنے کے امکانات میں اضافہ کر دیا تھا۔

یہ بے بنیاد خیال ہے کہ مسلمانوں کا علم اور فلسفہ یک بارگی وجود میں آیا۔ منطقی طریقۂ کار ایسے مفروضے کو قبول نہیں کرتا۔ یونان ہی کی طرح عرب دنیا میں بھی عقلی افکار کی متعدد مذہبی اقتصادی،

۵ عیسائیوں کا ایک فرقہ

سیاسی اور سماجی عوامل کے تحت تشکیل عمل میں آئی۔ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں نے اپنی تمام تر توجہ ہمسایہ ممالک میں اپنی قوت بڑھانے اور آئینِ اسلام کی اشاعت پر مبذول رکھی جب یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا اور ہر طرف امن و امان کی حکمرانی ہو گئی تو عقلی افکار کو عروج حاصل ہوا۔ عام طور پر اموی خلفاء کی اس بنا پر سرزنش کی جاتی ہے کہ ان میں علمی ذوق کا فقدان تھا اور اسی وجہ سے انھوں نے اپنے دورِ اقتدار میں علمی تحریکوں کی تشویق نہیں کی۔ یہ بات ایک حد تک درست ہے، لیکن یہ نہیں بھلایا جا سکتا کہ بے در بے اندرونی اور خارجی جنگوں نے اموی خلفاء کو چین و آرام سے نہیں بیٹھنے دیا۔ اس وجہ سے قدرتی طور پر مسلمانوں کے علوم کی ترقی، ترویج اور ..... عباسی خاندان کے برسرِ اقتدار آنے تک مؤخر ہو گئی[2]۔ یہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ عباسی خلفاء کا دورِ حکومت جنگ و جدل سے محفوظ نہیں رہا، لیکن اِن خلفاء کو اپنے دور کے اوائل میں نسبتاً زیادہ اطمینان اور قوت و اقتدار حاصل رہا۔

۱۔ **ترجمے کے میدان میں مسلمانوں کی ابتدائی کوششیں:** پہلی صدی ہجری کے اواخر میں اسلامی دور کے مترجمین نے مختصر تصانیف کے تراجم کیے۔ ترجمے کی واقعی تحریکیں دوسری صدی ہجری کے وسط سے شروع ہوتی ہیں۔ تیسری صدی ہجری میں، جو اسلام کے ادبیاتِ عالیہ کا دور ہے، یہ روش اپنے عروج پر پہنچی اور پانچویں صدی ہجری تک جاری رہی۔ چھٹی اور ساتویں صدی میں بھی مترجم نظر آتے ہیں، لیکن یہ تمام حضرات اپنے پیشرو ہمکاروں سے کم درجہ رکھتے ہیں۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان تین صدیوں سے زیادہ طویل عرصے تک قدیم تہذیب و تمدن سے متعلق علمی، فلسفی، ادبی اور مذہبی آثار کے تراجم میں سخت مشغول رہے۔ اس کوشش کے نتیجے میں مسلمان اس عظیم انسانی میراث کے وارث بن گئے جس کا سرچشمہ اس زمانے کی

---

[1] ۶۶۱ سے ۷۵۰ عیسوی تک

[2] بنی امیہ کے زوال کے بعد ۱۳۲ھ / ۷۵۰ء سے ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء تک یہ خاندان پانچ صدیوں سے زیادہ عرصے تک حکمراں رہا۔

خصوصاً ہر زبان یعنی عبرانی، سریانی (شامی زبان)، فارسی، سنسکرت، لاطینی اور [illegible]
ہم پلہ زبانوں میں محفوظ تھا۔

مسلمانوں نے بیت الحکمت کے نام سے ایک ادارے کی بنیاد رکھی۔ جس میں مترجمین کو ملازم رکھا گیا۔ ان کی تالیفات کی حفاظت بھی اسی ادارے نے کی۔ بیت الحکمت نے اپنے نمائندے بھیج کر قیمتی کتابوں کی تلاش میں ایران، ہندوستان اور قسطنطنیہ روانہ کیے۔ جنہوں نے دوسری زبانوں میں محفوظ افکار و عقاید کو پوری علمی دیانت کے ساتھ عربی میں منتقل کیا۔ پچھلے عربی تراجم کی تصحیح کی یا ان کا دوبارہ ترجمہ کیا۔ ان گوناگوں تراجم کو ان کی علمی جد و جہد اور تحقیق و تفتیش کے میدان میں کارہائے نمایاں کا آغاز سمجھنا چاہیے۔

کہتے ہیں کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ اسی طرح آدمی کی ضروریات خود ہر قسم کی جسمانی اور فکری جد و جہد کے لیے تحریک کی قوت بہم پہنچاتی ہیں۔ یہی اسباب ہیں کہ مسلمانوں نے اپنی جسمانی اور روحانی غذا حاصل کرنے کے لیے دوسرے قدیم تمدنوں کے ثمرات تک رسائی حاصل کی۔ اس صورتِ حال کے باوجود کہ مسلمانوں کے اولین تراجم علمی نوعیت کے تھے لیکن ان کا تعلق براہِ راست روزمرہ کی زندگی اور کام سے تھا۔ اس کی وجہ بھی واضح ہے۔ زندگی گزارنا افضل ہے۔ اس کے بعد ہی انسان فلسفے یا دوسرے امور کی طرف راغب ہوتا ہے۔ اموی خلفاء کے دورِ حکومت میں مصر کے حاکم خالد بن یزید[1] کیمیا اور طبیعی علوم سے بہت دلچسپی رکھتا تھا۔ غالباً اسی وجہ سے وہ مصر میں مقیم بھی رہا۔ اس نے کیمیا کے موضوع پر کتابیں بھی لکھیں۔ اس کیمیا دوست حاکم نے حکم دیا کہ اسکندریہ کے حکماء کیمیا اور طب کی کتابوں کو جو یونانی قبطی زبان (مصری زبان) میں موجود تھیں، عربی زبان میں منتقل کریں۔ ابن ندیم[2] کے مطابق

[1] متوفی ۷۰۴ء [2] محمد بن اسحاق الندیم جو ابو یعقوب الوراق کے نام سے بھی معروف ہے، معروف و مشہور کتاب الفہرست کا مصنف ہے۔ یہ کتاب ۳۷۷ھ میں مرتب کی گئی۔ اس کے کچھ حصے ضائع ہو گئے ہیں۔ چار جلدیں پیرس کی شاہی لائبریری میں موجود ہیں۔ عربی کتب کی یہ سب سے پرانی اور قابلِ اعتماد فہرست ہے۔

دنیائے اسلام میں یہ سب سے پہلے تراجم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس حقیقت کے پیش نظر ابن خلدون اور ابن الندیم ([illegible]) کی یہ تحقیق اشتباہ پر مبنی نظر آتی ہے کہ اقلیدس کی کتاب "اصول" سب سے پہلی یونانی کتاب ہے جس کا ترجمہ عباسی خلیفہ منصور[۵] کے حکم سے عربی میں کیا گیا تھا۔ ابن ندیم کی تحقیق کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ اس وجہ سے خالد بن یزید کے دور کے تراجم عباسی خاندان کی حکومت کے دوران ہونے والے تراجم سے بلحاظِ زمانہ قدیم تر ہیں۔ اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اپنے خاندان کے حکمرانوں میں علم و معرفت کے سب سے زیادہ دلدادہ تھے۔ ان کے حکم سے طب کے موضوع پر ایک رسالہ عربی میں منتقل کیا گیا۔ یہ بات بہرحال صحیح ہے کہ یہ تمام تراجم ناقص تھے اور اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ تراجم علم و معرفت کے میدان میں محض تجسس و تلاش کی نشاندہی کرتے ہیں اور چنداں اہمیت کے حامل نہیں۔

۲۔ <u>عباسیوں کی خدمات</u> | یہ افتخار عباسی خاندان کے حصے میں آیا ہے کہ اسلامی تراجم کو اس دور میں نہایت سنجیدگی اور مناسب روش کے ساتھ پیش کیا گیا۔ دوسرے عباسی خلیفہ یعنی منصور کو علم و دانش سے گہرا لگاؤ تھا۔ اس نے علم کے میدان میں عظیم کوششوں اور زبردست تحقیقات کا دروازہ کھول دیا۔ اس نے بغداد کی بنیاد رکھی (۱۴۵ھ/۷۶۲ء) اور اس جدید شہر کو اتھنز اور اسکندریہ کی علمی روایات کا وارث بنا دیا۔ اس عباسی دارالخلافے کی بنیاد رکھتے وقت اس نے اطبا اور مترجمین کی تلاش کی جو بعد میں اسلامی تہذیب و تمدن کے مروج قرار پائے۔ خلیفہ منصور کے جانشینوں نے بھی اس کے طریقۂ کار کی پیروی کی اور علم و دانش کی سرپرستی کی۔ اس ضمن میں مامون کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اس نے جدید افکار و خیالات کی ترویج و اشاعت کی تحریک کو حدِ کمال تک پہنچا دیا۔ اس نے کلاسیکی آثار کے مطالعے اور اس قسم کی اہم کتابوں کے ترجمے کی تشویق میں اضافہ کیا۔ اس طریقے پر عباسی خلفاء کی شاندار کوششیں اسلامی قلمرو میں علمی زندگی کی نشوونما اور ترقی کا سبب بن گئیں۔ ناانصافی ہوگی اگر ہم

---

۵ دورِ حکومت ۷۵۴ء - ۷۷۵ء۔

ان خلفاء کے ساتھ ان علم دوست حضرات کا ذکر کریں جن کی ایک طویل فہرست [illegible]
نے دی ہے۔ رنان (Renan) اور اس کے بعد کا اولڈ ور [illegible]
کا خیال ہے کہ مشرقی دنیا میں علم و فلسفہ صرف بعض فرماں رواؤں کے سایۂ عاطفت میں پروان
چڑھا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ان فرماں رواؤں کے دوش بدوش ایسے اشخاص بھی تھے جو [illegible]
تدریس کے والہ و شیفتہ تھے۔ چنانچہ اُس زمانے میں مساجد اور دیگر غیر سرکاری [illegible]
کے عظیم الشان محلات کی طرح تحقیق و مطالعے کے مراکز تھے۔ یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے
علمی کاوش اور حصولِ علم و دانش کی کوششیں صرف درباروں تک محدود ہوتیں تو یہ کام [illegible]
کے محدود دائرے سے باہر قدم نہیں بڑھا سکتا تھا۔

بغداد نے جو اسلامی دنیا کے افق پر فکر و فلسفے کے عظیم مرکز کی حیثیت سے نمودار ہوا
علم کی تابناک شعاعوں سے اسلامی دنیا کے دوسرے حصوں کو بھی جگمگا دیا۔ دور دور کے
لوگ ہر طرف سے اس علمی کعبے کی زیارت کے لیے دوڑ پڑے۔ اسپین سیاسی معاملات میں [illegible]
کو مغرب سے جدا کرتا تھا۔ یہاں دانشور اپنے مشرقی ہمکاروں سے ترجمے اور دوسری تحقیقات
اخذ و اقتباس کرتے تھے۔ مقری نے اپنی کتاب کے ایک مکمل باب میں اسپین کے ایسے اشخاص
ذکر کیا ہے جو حصولِ علم و دانش کی خاطر بغداد آئے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اسپین جو [illegible]
کا ایک نزدیکی ہمسایہ ملک تھا، ترجمے کے اس شاندار کام میں خود کیوں شریک نہیں ہوا۔ [illegible]
میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اول تو اس سرزمین میں علمی روایات مشرقی دنیا کے مقابلے [illegible]
کچھ تاخیر سے پہونچیں۔ دوسرے اسپین کے لوگوں کو یہ ضرورت محسوس ہی نہیں ہوئی کہ وہ
یونانی یا لاطینی کتابوں سے رجوع کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ متعلقہ کتابوں کے عربی تراجم [illegible]
دنیائے اسلام میں کیے گئے تھے، ان کی دسترس سے باہر نہیں تھے۔ البتہ یہ کہا گیا ہے کہ اسپین
میں عبدالرحمٰن سوم (۹۱۲-۹۶۱ء) کے دورِ سلطنت میں دیسکوریدوس (دیسقوریدوس
یا سقوریدوس) کی کتاب "الحشائش و النباتات" کے ترجمے کی تصحیح و تکمیل کی گئی۔ [illegible]

بن باسل نے اس کتاب کا بغداد میں عربی زبان میں ترجمہ کیا تھا، لیکن یہ کام بنیادی حیثیت نہیں رکھتا۔ بہرحال خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اسلامی دنیا میں عباسی تاجروں کی حدود سے باہر ترجمے کی کوئی سنجیدہ اور قابلِ قدر کوشش عمل میں نہیں آئی۔

۳۔ عظیم مترجمین | عباسیوں نے اس کام یعنی علمی اور فلسفیانہ تصانیف کو عربی زبان میں منتقل کرنے کی خاطر ایرانی، ہندوستانی، صابئی[۵] یہودی اور عیسائی زبان دانوں کی خدمات حاصل کیں۔ اس دور میں ترجمے کے تین اہم مراکز تھے، اسکندریہ، جندیشاپور[۵] اور حران[۵]۔ عربی زبان میں کتابوں کے تراجم کی اہم ترین کوشش اسکندریہ میں شروع ہوئی۔ اسکندریہ درحقیقت علم و دانش کے اعتبار سے ایتھنز کا قائم مقام اور وارث تھا۔ یہ شہر اسلامی اور یونانی افکار کے درمیان ایک وسیلے کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان افکار و خیالات کے اثرات اسلامی علوم و فلسفے پر نہایت گہرے ہیں۔ عربی علم کیمیا ان اثرات کا حاصل ہے۔ اسی طرح اسلامی طب بنیادی طور پر جالینوسی ہے بلکہ اسے اسکندرانی کہا جائے تو بہتر ہوگا۔ فلسفے کے

---

۵ صابئین ایک ایسے فرقے کو کہا گیا ہے جو فرشتوں کی عبادت اور زبور کی تلاوت کرتا ہے۔ بعض دیگر اہل تحقیق کے نزدیک یہ یہود کا کوئی فرقہ ہے۔

۵ دجلہ کے پار عراق کے مشرق میں ایک علاقہ پہلے ایلام کہلاتا تھا۔ قدیم زمانے میں اس علاقے کا دارالخلافہ شوش تھا اور اب یہ خطہ خوزستان کہلاتا ہے۔ جندیشاپور اسی خطے کا ایک مشہور شہر ہے جسے شاپور نے بنوایا تھا۔ جندیشاپور کے اطبا اپنے فن میں ہمیشہ مشہور رہے ہیں چونکہ ان کے پاس قدیم شاہی ایران کا علم موجود تھا جس سے دوسرے اطبا محروم تھے۔ تاریخ الحکما: القفطی، اردو ترجمہ غلام جیلانی برق، انجمن ترقی اردو، ۱۹۴۵ء، ص ۱۶۸۔

۵ یہ شام کا مشہور شہر ہے جو موصل، شام و روم کی سڑک پر واقع ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ طوفانِ نوح کے بعد یہ پہلا شہر تھا جو سطحِ ارض پر تعمیر ہوا تھا۔ اس میں مدتوں تک نجومی آباد رہے اور بڑے بڑے حکماء نے یہاں جنم لیا۔

میدان میں بھی ہم بعد کی سطور میں مکتب عربی پر افلاطونی اثرات کی طرف اشارہ کریں گے۔ جندیشاپور وہ شہر تھا جہاں عباسی خلیفہ منصور نے اپنے اولین مترجمین کی تلاش کی۔ یہ وہ شہر بھی تھا جہاں خسرو اوّل انوشیروان نے طب کا مشہور مدرسہ قائم کیا تھا[1]۔ بختیشوع کے معروف اور دانشوروں کے خاندان کو عباسی خلفاء کا قرب حاصل تھا۔ اس خاندان نے طب اور عربی زبان میں تراجم کے میدان میں شایانِ شان خدمات انجام دی تھیں۔ یہ خاندان جندیشاپور ہی کا رہنے والا تھا۔ حرّان کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ شہر قدیم یونانی تہذیب کا مآوا و مآمن تھا۔ اس شہر نے عالم اسلام کو کثیر تعداد میں دانشور اور مترجم دیے۔ حرّان کے ایسے صاحب علم اشخاص میں ثابت بن قرہ[2] اس کا لڑکا سنان بن ثابت[3]، البتانی منجم اور ریاضی داں، ماہر نباتیات ابن وحشیہ اور صاحبِ کتاب الفلاحۃ النبطیۃ (۲۹۱ ہجری قمری) کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ بیشتر اسلامی مترجمین کا انہی تین عظیم شہروں سے تعلق تھا اور تمام نسطوری یا یعقوبی طبیب اور یونانی فلسفے کے شارحین مشرق ہی سے تعلق رکھتے تھے۔

تھوڑی ہی مدت میں مسلمانوں نے اپنے عیسائی اساتذہ کے دوش بدوش غیر عربی زبان کی کتابوں کے تراجم اور ان کی تفسیر کا کام شروع کر دیا۔ فارسی، ہندوستانی، عبری اور سریانی زبانوں کی کتابوں کے خاص طور پر تراجم اور ان کی شرح کی گئی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مسلمان مترجم

---

[1] انوشیروان (۵۲۱-۵۷۹ء) نے جندی شاپور میں فلسفہ و طب کی ایک درسگاہ قائم کی تھی جس میں شام کے چند عیسائی عالم تدریس پر مامور تھے۔ ۵۲۹ء میں افلاطونی اسکول کے سات حکیم ایتھنز سے نکال دیے گئے تھے جنھیں انوشیروان نے اپنے ہاں پناہ دی تھی۔

[2] یہ حرّان کے مقام پر ۲۲۱ھ میں پیدا ہوا۔ اس نے منطق، حساب، علم ہندسہ و علم الافلاک پر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ یہ جمعرات کے دن ۲۶ ماہِ صفر ۲۸۸ھ میں فوت ہوا۔

[3] اپنے والد کی طرح مشہور طبیب تھا۔ ۳۳۱ھ میں بغداد میں فوت ہوا۔ یہ علم ہیئت کا زبردست عالم تھا۔ اس فن پر اس کی کافی تصانیف ہیں۔ تاریخ الحکماء ص ۲۷۴۔

اور عثمؔر کیا یونانی زبان سے واقف تھے؟ رینان پورے اعتماد کے ساتھ کہتا ہے کہ وہ کسی بھی زمانے میں کوئی بھی دانشور یونانی نہیں جانتا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کا حکم آسانی سے نہیں لگایا جا سکتا۔ مثلاً سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ کندی[1] بظاہر یونانی زبان جانتا تھا۔ اور اس نے یونانی سے کتابوں کے عربی ترجمے کیے ہیں۔ کندی کے بارے میں یہ تصور مشتبہ معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ہم اس کی دستیاب تصانیف میں سے مختصر رسالوں کا مطالعہ کریں تو ان میں ایسے شواہد نہیں ملتے جو کندی کی یونانی زبان سے واقفیت کی گواہی دیں۔ احتمال یہ ہے کہ اس نے اپنے اردگرد موجود بہت سے ایسے مترجمین کی مدد سے، جو یونانی زبان جانتے تھے، اس زبان کے بارے میں جستہ جستہ معلومات اور تھوڑی بہت واقفیت حاصل کر لی تھی اور ان اطلاعات و واقفیت کی بنیاد پر وہ غلط تراجم کی تصحیح کا کام کرتا رہا۔ دوسرے مسلمان فلسفیوں کے بارے میں آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ یونانی زبان نہیں جانتے تھے۔ ہربلوٹ (Herbelot) اور دیگر متعدد مستشرقین اشتباہ کا شکار ہوئے ہیں اور لکھا ہے کہ ابن رشد (متوفی: ۵۹۵ھ) نے ارسطو کی تصانیف کو گویا یونانی زبان سے عربی میں منتقل کیا تھا مونک (Monk) اور رینان بھی اس غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اسلامی خلفا اور دوسری سربرآوردہ شخصیتوں کے حضور میں مترجمین کو جو قرب حاصل تھا، اسی طرح وہ اہمیت جو لوگ ان کے تراجم کو دیا کرتے تھے، وہ اس قدر عام بات ہے کہ اس کا ذکر ضروری نہیں۔ اس امر کا پتہ ایک مثال سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہارون الرشید نے ایک روز اپنے دربار میں اعلان کیا کہ "جس شخص کی جو خواہش ہو وہ جبرئیل (بن بختیشوع) سے کہہ دے۔ میں ایسی ہر خواہش پوری کروں گا۔"[2] اسی طرح یہ بھی کہا جاتا

---

[1] ابو یوسف یعقوب بن اسحٰق الکندی متوفی ۲۴۶ھ۔ اسے اولین عرب فلسفی سمجھا جاتا ہے۔

[2] ہارون الرشید نے اس طبیب کی بہت عزت کی۔ زرّیں خلعت عطا کی اور بے شمار مال و دولت سے نوازنے کے بعد کہا کہ آج سے تمہیں رئیس الاطبا بنایا جاتا ہے اور اس کے بعد دنیا تمہارے ہر حکم کی تعمیل کرے گی۔ تاریخ الحکما [illegible] ۱۸۶ [illegible]

ہے کہ حنین بن اسحاق[1] اپنے تراجم کو سونے کے برابر تول کر مامون کے ہاتھ فروخت کیا کرتا تھا، یہ بیان بہرصورت افسانہ معلوم ہوتا ہے، البتہ اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ تراجم اور خاص طور پر حنین کے تراجم کس قدر زیادہ معتبر اور اہمیت کے حامل تھے۔

ایرانی مترجمین میں عبداللہ بن المقفع[2] کا نام قابلِ ذکر ہے۔ اس کا اسلوب آج بھی لکھنے والوں کے لیے نمونے اور سرمشق کا حکم رکھتا ہے۔ اس مصنف نے اسلام لانے کے بعد عربی زبان سیکھی اور اس پر عبور حاصل کیا۔ اس نے چند اخلاقی کتابیں، جس کا بہترین نمونہ کلیلہ ودمنہ ہے، عربی زبان میں منتقل کیں۔ اس کے لڑکے محمد نے بھی اس کی وفات کے بعد منطق پر چند رسالے مثلاً فرفوریوس کا رسالہ ایساغوجی، ارسطو کی تصانیف قاطی غوریاس، باری ارمینیاس اور آنالوطیقا، جو پہلے سے فارسی میں متعارف تھیں، عربی زبان میں منتقل کیں۔ تاریخی لحاظ سے یہ تراجم بڑی اہمیت کے حامل ہیں چونکہ بظاہر یہ سب سے پہلے تراجم ہیں جن کے ذریعے مشائی فلسفی نظام[3] عربی زبان میں منتقل ہوا۔ حاجی خلیفہ کا کہنا ہے کہ اتن نامی شخص نے خالد بن یزید کے حکم سے منطق پر ارسطو کی کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ اگر یہ ترجمہ واقعی ہوا تھا تو ...

---

[1] فنِ طب میں ماہر تھا۔ متعدد یونانی کتابوں کو سریانی و عربی میں منتقل کیا۔ المتوکل نے اسے کتابوں کا ترجمہ کرنے کی خدمت پر مامور کیا۔ منطق پر ایک عمدہ کتاب لکھی۔ یہ ایک صبح مردہ پایا گیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ الحکماء ص ۲۴۹

[2] ابو عمرو (بعد میں: ابو محمد) روزبہ اور بعد میں اس کا نام عبداللہ بن المبارک ... ۱۰۶ تا ۱۴۲/ ۷۲۳ تا ۷۵۹ - ۳۶ برس کی عمر میں مقتول ہوا۔ ایرانی الاصل تھا۔ ہندوستان کی مشہور کتاب پنچ تنتر کا اس نے کلیلہ ودمنہ کے عنوان سے عربی میں ترجمہ کیا۔ تاریخ الحکماء ص ۲۰۶۔

[3] افلاطون کی یہ عادت تھی کہ وہ طلبہ کو پڑھنے کے دوران ٹہلتا رہتا تھا اور تلامذہ ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ فیثاغورس اور اس کے شاگردوں کے متعلق بھی یہی مشہور ہے۔ افلاطون نے ایک اکیڈمی ... لی ... اس اکیڈمی والے اکیڈمی کی نسبت سے مشہور ہوئے اور ارسطو کے پیروؤں کے لیے مشائی (ٹہلنے والے) ... مشہور ہوا۔

[illegible] حنین کا ذکر ہم آیندہ کریں گے۔ البتہ اس ترجمے کا وجود مشکوک ہے چونکہ متقدم مورخین [illegible] ندیم اور ابن القفطی[1] اس ترجمے کا ذکر نہیں کرتے ہیں۔ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ ابن حنین کے لڑکے [illegible] نے جو تراجم کیے وہ غلطی سے اس کے والد سے منسوب کر دیے گئے ہیں۔ اس قدیم اشتباہ کا حال ہی میں پہلی بار پل کراؤس نے اپنی تحقیقات کے ذریعے اظہار کیا ہے۔

بہرحال ارسطو کی تصانیف اور یونانی علوم و معارف کا بیشتر حصہ حنین (متوفی: ۲۶۰ ہجری قمری)، اور اس کے لڑکے اسحاق (متوفی: ۲۹۸ یا ۲۹۹ ہجری قمری) اور ان کے معاصرین کی درس گاہ میں عربی زبان میں منتقل ہوا۔ اس معروف درس گاہ کے بارے میں روز بروز ہماری معلومات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ متعدد دانشور اور طبیب اس اکیڈمی سے وابستہ تھے۔ ان میں سے حجاج بن مَطَر، یحیی البطریق (متوفی بہ سال ۲۰۰ ہجری) اور قسطا بن لوقا (متوفی در حدود ۳۰۰ ہجری) قابلِ ذکر ہیں۔ اس ادارے میں کلاسیکی تصانیف کا عربی میں ترجمہ کیا جاتا تھا اور تلامذہ کو مختلف زبانیں سکھائی جاتی تھیں۔ یہ شاگرد بعد میں اپنے اساتذہ کے کام کو آگے بڑھاتے تھے۔ ایسے شاگردوں میں حنین کا ہمشیر زادہ حبیش[2] ممتاز شخصیت کا مالک ہے۔ حبیش کو حنین سے اپنی یہ رشتے داری بڑی مہنگی پڑی یعنی حنین کی شہرت کی وجہ سے یا اس بنا پر کہ عربی رسم الخط میں حنین اور حبیش کے لکھنے میں بڑی مشابہت ہے، ایسے بہت سے تراجم جو حبیش کا کارنامہ ہیں، اس کے ماموں حنین سے منسوب کر دیے گئے تھے[3]۔

حنین اور اسحاق عربی، فارسی، سریانی اور یونانی زبانیں خوب جانتے تھے۔ یہ دونوں فلسفیانہ اور علمی کتابوں کی تلاش میں ہر جگہ خاص طور پر مشرقی روم کا سفر کیا کرتے تھے۔ حنین

---

[1] مصنف تاریخ الحکماء

[2] حبیش ابن الحسن الاعسم النصرانی۔ تراجم کے علاوہ اس کی ایک کتاب کا نام 'کتاب الزیادۃ فی المسائل التی الحنین' ہے۔ تاریخ الحکماء ص ۲۵۵۔

[3] اسی طرح کی اطلاع تاریخ الحکماء میں بہم پہنچائی گئی ہے۔ ص ۲۵۵۔

دو برس مشرقِ روم میں مقیم رہا تاکہ یونانی زبان سیکھے۔ حال ہی میں شائع ہونے والے [illegible]
اس ذہین مترجم نے اپنے تراجم کے اسلوب، صحیح طریقۂ کار اور دیانت کا ذکر کیا ہے۔ اس نے یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ بعض متون کا اس نے جوانی میں مناسب ترجمہ نہیں کیا تھا چنانچہ ایسی تصانیف کا اس نے دوبارہ ترجمہ کیا ہے۔ انہی کتابوں میں اس نے اپنے ہم عصر مترجمین پر تنقید کی ہے جنھوں نے عجلت میں ناقص تراجم اہلِ علم کو پیش کیے ہیں۔ حنین اس بات پر زور دیتا ہے کہ اس کے تمام نئے اور نظر ثانی شدہ تراجم ایسے یونانی منابع و مآخذ پر مبنی ہیں جن کے ایک یا دو سے زیادہ نسخے اس کی دسترس میں تھے۔

اسحاق جو اپنے والد حنین کی طرح دیانت داری اور غور و فکر کے ساتھ ترجمہ کرتا تھا، دنیائے اسلام میں پروان چڑھا تھا۔ وہ عربی میں گفتگو کرتا تھا اور اس وجہ سے عربی ہی میں ترجمہ کر سکتا تھا۔ اس کے برخلاف اس کے والد نے یونانی متون کا غالباً سریانی میں ترجمہ کیا، اس امید پر کہ بعد میں ان سریانی تراجم کو وہ خود یا کوئی دوسرا شخص عربی میں منتقل کر دے گا۔ مشائی فلسفے کو دنیائے اسلام میں متعارف کرنے کا سہرا اسحاق کے سر ہے، چونکہ ارسطو کی نصف سے زیادہ تصانیف کا اسی نے عربی میں ترجمہ کیا ہے، یا ان کی تصحیح کی ہے۔ فلسفے کی کتابوں کے تراجم میں اسے مہارت حاصل تھی۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ اس نے ارغنون کا جو عربی میں ترجمہ کیا ہے اسے "الدستور" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ارغنون کے دوسرے تراجم کا اس کے ترجمے سے مقابلہ کیا جاتا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسحاق اور اس کے والد بلاشبہ جہانِ اسلام کے سب سے عظیم مترجم رہے ہیں۔

ایک دوسرا عیسائی دانشور یحییٰ بن عدی[1] (متوفی بہ سال ۳۶۳ ہجری قمری) ترجمے کے کام میں حنین و اسحاق کی مدد کرتا تھا۔ اس نے ان سریانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا جنھیں حنین نے یونانی سے

---

[1] ابوزکریا یحییٰ بن عدی بن حمید نے ۸۱ برس کی عمر پائی۔ منطقی تھا۔ اس نے متکلمین کی بے شمار کتابیں نقل کی ہیں۔ خود اس کی اپنی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ تاریخ الحکماء ص ۴۶۰

سریانی میں منتقل کیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے قابلِ تعریف سنجیدگی اور غور و فکر کے ساتھ ارسطو کی تصانیف کو اسلامی دنیا میں متعارف اور نقل و اقتباس کرنے میں مدد کی۔ اسے اسحاق کے بعد فلسفے اور منطق کی کتابوں کا غالباً سب سے اہم مترجم سمجھا جا سکتا ہے۔ یحییٰ بن عدی منطق کے دو بڑے اساتذہ فارابی اور ابوبشر متّی بن یونس کا شاگرد تھا۔ یہ صرف ایک مترجم ہی نہیں تھا بلکہ خیال پرداز اور شارح کی حیثیت سے بھی اسے ایک عظیم سند سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے "المنطقی" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ عربی میں منطق کی اولین کتابوں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ ارغنون کے اس نسخے میں جو پیرس کی نیشنل لائبریری میں محفوظ ہے، چند بار اس کا ذکر نظر آتا ہے اور اسے ایک با وثوق اور معتبر ماخذ شمار کیا گیا ہے۔ ابن ندیم، جو اس کا معاصر ہے، اس کی کتابوں اور تبحرِ علمی کی تعریف کرتا ہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ یحییٰ بن عدی کا شمار ان اولین مترجمین میں ہوتا ہے جن کی دنیائے اسلام ارغنونِ ارسطو کی ترویج و اشاعت میں احسان مند ہے۔

کارادو وو اسلامی دور کے مترجمین کو، ان کی وسیع معلومات کی بنا پر، خود دائرۃ المعارف کا درجہ دیتا ہے۔ اس سے قبل ایک دوسرے عربی سوانح نگار نے اِن مترجمین کو عالم و دانشور قرار دیا تھا۔ حقیقت ہے بھی یہی کہ یہ مترجم عملی اور نظری علوم میں زبردست تبحر کے مالک تھے۔ یہ لوگ طب کے موضوع پر خاص طور پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ اس زمانے میں علم کی اہم صفت یہ بھی کہ تاریخی منابع، اسناد اور متون میں گہری تحقیق کی جائے۔ بعض مترجم محقق ہونے کے علاوہ خاص خاص علوم میں گہری بصیرت و بصارت کے حامل تھے۔ جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا کہ اسحاق کو فلسفے اور فلسفیانہ کتابوں کے ترجمے پر قدرت حاصل تھی اور اس کے والد طب کی کتابوں کا مطالعہ اور ترجمہ کرنے میں مشغول رہتے تھے۔ ان کی شہرت جالینوس کی تمام طبی کتابوں کے مترجم کی حیثیت سے زیادہ ہے۔ حنین کے بارے میں یہ بیان مبالغے سے خالی نظر نہیں آتا، لیکن اتنا مسلّم ہے کہ اسے علم طب میں تخصص حاصل تھا اور وہ طبّی کتابوں کے ترجمے پر قدرت رکھتا تھا۔

ایک دو صورت کا صاف ترجمہ ... [illegible]
ہندسہ پر اس کی تالیفات موجود تھیں ... [illegible] ایک ... [illegible]
اس صورت حال کے پیش نظر ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ خلفا اور دوسرے ... [illegible]
مسلمانوں نے اپنی علمی تحریک کے اولین دور میں اس تحریک کی راہنمائی اہل ایران ... [illegible]
کے سپرد کی۔ ان لائق اور واقف کار ... [illegible] علم و دانشوروں کی ... [illegible]
اور ہندوستانی و ایرانی فکر کی دولت ترجمے کے ذریعے مسلمانوں تک پہنچا۔

۴۔ اسلامی تراجم کے موضوعات: ہم نے عرض کیا ہے کہ کیمیا اور طب وہ اولین موضوعات تھے جن کی طرف مسلمان سب سے پہلے متوجہ ہوئے لیکن ایک انسان کا ذہن جیسے ہی تحقیق و جستجو کی راہ پر لگ جاتا ہے تو جب تک اسے خاطر خواہ تسلی نہ ہو جائے یا جب تک وہ منزل مقصود تک نہ پہنچ جائے یا کم از کم اسے یہ گمان نہ ہو جائے کہ اس نے مقصد حاصل کر لیا ہے، وہ چین سے نہیں بیٹھتا۔ اس کے علاوہ علوم کی مختلف شاخیں قدرتی طور پر ایک دوسرے سے مربوط ہیں، خاص طور پر ایسی درس گاہوں میں جہاں تعلیم کی وسعت اور اس کا پھیلاؤ (دائرۃ المعارف) کے انداز کا ہو، مختلف علوم ایک دوسرے سے مربوط نظر آتے ہیں۔ اس وجہ سے اسلام کی علمی تحریک محض کیمیا اور طب تک محدود نہیں رہی بلکہ اس کا دائرۂ کار علوم طبیعی، مابعد الطبیعی اور مذہبی علوم میں تحقیقات تک وسیع ہو گیا۔ بائبل، انجیل، مانوی اور زردشتی کتابیں مسلمانوں کے مذہبی علوم کی تشکیل میں بڑا حصہ رکھتی ہیں۔ ان کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا گیا۔ نجوم، ریاضی اور سیاست کے میدان میں ہندوستانی اور فارسی زبانوں سے عربی میں ترجمے کیے گئے۔ اس کے سوا، ہندسہ، طب اور نجوم پر یونانی کتابوں کے عربی میں تراجم ہوئے۔ فی الحال ہم ان مختلف تراجم کے عرب تہذیب پر اثرات سے بحث نہیں کرنا چاہتے چونکہ ہمارا موضوع صرف فلسفہ اور مخصوصاً منطق ہے۔

فلسفے کی دنیا میں مسلمان سقراطی[1]، نیمہ سقراطی[2]، سوفسطائی[3]، شکاکی[4]، رواقی اور

ابی قوری سے قبل کے بعض فلسفیوں سے واقف تھے۔ ایسے قطعی شواہد موجود ہیں جن سے واضح طور پر پتا چلتا ہے کہ دیمقراطیس[۷] اور ابی قوری کی تصانیف اُن عظیم اسلامی درسگاہوں کے نصاب میں شامل تھیں جہاں علم کلام کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مادّی اصالت کے رواقی عقیدے نے بھی معتزلیوں[۸] کے ذہن پر ناقابل انکار اثر ڈالا۔ مثال کے طور پر نظام ایسے افکار و

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱) ۴۶۹ م — ۳۹۹ قبل مسیح۔ ایک غریب بت تراش کا لڑکا تھا، لیکن بعد میں اس نے فطرتِ انسانی کو تراشنا شروع کیا۔ ایک نیک دست مصلح اور حکیم تھا۔ یہ فیثاغورس کا شاگرد اور افلاطون کا استاد تھا اسے غلط روایات وقت نے فواحش سے روکنا چاہا اور وہ باز نہیں آیا اس لیے قتل کر دیا گیا۔

۳ سوفسطائی طرزِ فکر کے حامیوں میں سب سے زیادہ مشہور پروٹاگوراس تھا جو دیمقراطیس کا دوست اور ہم وطن تھا۔ اس وقت تک یہ لفظ سوفسطائی اپنے اصلی معنوں میں یعنی معلّمِ حکمت کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ اس اصطلاح کو سقراط، افلاطون، ارسطو اور ان کے شاگردوں نے ایسا بدنام کیا کہ یہ لفظ استدلالی دھوکے بازی کے لیے استعمال ہونے لگا۔ ۴ یعنی متشککین۔ تشکیک کا علم بردار پرہو ہے جو ارسطو کا معاصر اور اسکندر اعظم کا دوست تھا۔ اسکندر نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو پرہو اس کے ساتھ تھا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: داستانِ دانش از خلیفہ عبدالحکیم مطبوعہ انجمن ترقی اردو۔

۵ رواقیت کا امام زینو (۳۴۰ - ۲۶۵ قبل مسیح) ابی قور کا معاصر تھا۔ رواقیت نے تکلّفات اور عیش پرستی اور جاہ طلبی کے خلاف علم بلند کیا اور ایسے عقاید کی تعلیم دی جن کی بنا پر انسان کی سیرت استوار ہو سکے۔ ۶ ابی قور (۳۴۱ - ۲۷۰ ق م) اثینیا کا رہنے والا تھا۔ اس نے ۳۰۶ ق م کے قریب اپنے باغ میں ایک قسم کی درسگاہ قایم کی اور سکونِ قلب اور لذت پرستی کے فلسفے کا درس دیا۔ اس فلسفے کو لذّتیت کا فلسفہ کہا جا سکتا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: داستانِ دانش۔

۷ دیمقراطیس کو ذراتی طبیعیات کا بانی سمجھنا چاہیے۔ اسی نوعیت کی طبیعیات نے اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ہماری جدید سائنس پیدا کی۔ جس طرح تمام تصورات کا امام افلاطون ہے اسی طرح تمام مادّیت کا بانی دیمقراطیس ہے۔ (حاشیہ ۷ صفحہ ۱۶ پر)

خیالات کا قائل تھا جن کا سرچشمہ رواقی [illegible] یونانی [illegible] کے
ایسے عقاید بھی تھے جو ارسطوئی فلسفے سے مختلف ہیں لیکن اہل علم کے [illegible]
افکار و خیالات میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح عرب تذکرہ نگاروں نے طالیس، [illegible]
انا کسا گورس اور امپیڈوکلیس کے افکار و عقاید کے مختصر انتخابات نقل کیے ہیں۔ ان کے
نمونے شہرستانی کی الملل والنحل میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ اقتباسات مختصر
اور بعض اوقات مشتبہ ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی مفکر فلسفے کے متنوع نظاموں سے
پوری طرح واقف نہیں تھے۔ ہوا یہ ہے کہ شہرستانی نے فیثاغورث کے فلسفے اور نوافلاطونی فلسفے
کے سمجھنے میں غلطی کی ہے اور بعض نوافلاطونی عقاید کو رواقیوں سے منسوب کر دیا ہے۔ دراصل
مسلمان افلاطون اور ارسطو کے سوا، دوسرے یونانی فلسفیوں سے براہ راست واقف نہیں
ہوئے تھے بلکہ پلوتارک، جالینوس اور فارفریوس کی تصانیف نے انھیں متعارف کرایا تھا۔

قدیم یونانی فلسفے کی جن کتابوں کے عربی میں تراجم ہوئے ہیں ان میں غالباً کوئی ترجمہ
ایسا نظر نہیں آیا جس کا موضوع افلاطون اور ارسطو کے فلسفے یا اس کی تفسیر و شرح کے سوا کچھ
اور ہو۔ اسلامی دور کے مترجمین نے افلاطون کے مکالمات جیسے کتاب سیاست یا کتاب

(حاشیہ نمبر بقیہ ص۱۵) ۵ اس فرقے کا بانی واصل بن عطا (۸۰-۱۳۱ھ) حسن بصری کا شاگرد تھا۔
استاد سے اختلاف کی وجہ سے اس نے قدیم عقاید سے ہٹ کر بعض نئے عقاید کا اعلان کیا تو استاد نے
فرمایا "اعتزل عنا"۔ اس دن سے یہ فرقہ معتزلہ کہلایا۔ ۶ یا تالیس ملطہ کا رہنے والا تھا۔ اس کا
زمانہ ۶۰۰ ق م کے قریب ہے۔ یہ ایونیا کے مذاہب فلسفہ کا بانی سمجھا جاتا ہے۔

۷ اس کا سن پیدائش ۵۸۲ ق م اور جائے پیدائش ساموس بتائے جاتے ہیں۔

۸ یہ مفکر ایونیا میں پیدا ہوا۔ یہ اس ذراتی طبیعیات کا بانی ہے جس نے دوبارہ انیسویں صدی میں ہماری
موجودہ سائنس پیدا کرنے میں بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔ ۹ فلاطینوس کا سب سے مشہور شاگرد ہے
اس نے اپنے استاد کی تعلیمات کو مدون کیا۔

السیاسہ (اس کا فارسی ترجمہ عہدنامے کے نام سے موسوم ہے) نوامیس (کتاب النوامیس) سوفسطائی (سوفیسٹ) فیدرون اور سقراط کے رسالۂ دفاع کو عربی میں منتقل کیا ہے۔ ہم نے اس بے بنیاد نظریے کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا ہے جس کی وجہ سے افلاطون کو مسلمانوں میں مناسب طور پر سمجھا نہیں گیا۔ ہم نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اس کے برخلاف سقراط کے عقاید نے اسلام کے مختلف مکاتیبِ فکر کو بڑی حد تک متاثر کیا ہے۔ اکیڈمی کا یہ بانی سقراط اپنی زندگی کے طریقۂ کار اور اصالتِ روح پر مبنی اپنے عرفان و فلسفے کی وجہ سے تھا بھی اسی لائق کہ اسلامی فلسفی، زہاد اور متکلمین اس طرف متوجہ ہوتے۔

ہمارا یہ مقصد نہیں کہ مسلمانوں کی نظر میں افلاطون کو ارسطو جیسی قدر و منزلت اور اعتبار حاصل تھا۔ ارسطو بلاشک و تردید اسلامی علوم عالیہ کا متفقہ طور پر استاد ہے۔ اسلامی فلسفیوں نے ارسطو کی جو مبالغہ آمیز تعریف و توصیف کی ہے، ریان نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ارسطو کے اسی بلند مرتبے کی وجہ سے اسلامی دور کے مترجم بڑے شوق سے اس کے آثار کی جستجو میں رہتے تھے اور اس کی تمام طبیعی، مابعد الطبیعی، اخلاقی، اقتصادی اور منطقی کتابوں کا انھوں نے کئی بار ترجمہ کیا ہے۔ اس ضمن میں ارغنون کا ذکر ضروری ہے جسے معروف ترین مترجمین نے مختلف منابع و مآخذ سے عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ ارغنون اپنے فارسی، سریانی یا مختلف یونانی نسخوں سے عربی میں منتقل کی گئی ہے۔ اس کے مترجمین میں حنین، عبدالمسیح بن ناعمہ ابوبشر متی کے علاوہ، جن میں سے بیشتر محقق و منطقی اور چند زبانوں کے جاننے والے تھے، محمد بن المقفع، اسحاق اور یحییٰ بن عدی کے نام لیے جا سکتے ہیں۔

ارسطو کی کتابوں کی بہتر طور پر تفہیم کے لیے لازمی تھا کہ ان کو ایسی شرحوں اور تفسیروں کی روشنی میں پڑھا جائے جو شارحین نے کی ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ناگزیر تھا کہ ان کتابوں کی وضاحت و تشریح کے لیے ایسے اولین منابع اور نسخوں پر بھروسہ کیا جائے جو دستیاب تھے۔ اس بنا پر ارسطو کے براہ راست شاگردوں اور مکتب "مشائی" کے بانیوں کی تصنیفات و تالیفات سے رجوع کیا گیا۔ ارسطو کے ان شاگردوں میں سب سے زیادہ تھیوفراسٹس سے استفادہ کیا گیا جو ارسطو سے قریبی تعلقات رکھتا تھا اور اپنی تصانیف کے ذریعے مسلمانوں میں متعارف تھا۔ اس کے بعد اسکندر افرودیسی تھا۔

(حاشیہ نمبر ۱ اگلے صفحے پر)

جو مسلمان فلسفیوں کی نگاہ میں ارسطو ہی کی مانند معتبر سمجھا جاتا تھا۔ ابن سینا کے الفاظ میں "فاضل المتاخرین" تھا۔ مابعد الطبیعہ اور آثار علویہ پر اس کی شرحوں کو مسلمان فلسفی تحسین و آفرین کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اسکندر افرودیسی کی کتاب النفس کی شرح سے عقل کے مختلف مدارج کی تشریح ہوتی ہے۔ اس کتاب نے اسلامی علوم عالیہ اور یورپ کی قرون وسطیٰ کو متاثر کیا ہے۔ اس طرح سے عربوں نے مکتب مشائی کا بالواسطہ مطالعہ کیا اور اس مکتب کے عظیم ترین نمائندوں کی کتابوں کے وسیلے سے یہ مکتبِ فکر عربوں میں متعارف ہوا۔

اسکندر افرودیسی کا معاصر ایک دوسرا یونانی مفکر جالینوس بھی دنیائے اسلام کی علمی تحریک میں نہ صرف ایک طبیب کی حیثیت سے بلکہ ایک مورخ اور فلسفی کے طور پر قطعی انداز میں اثر انداز ہوا ہے۔ اسی کے توسط سے رواقیوں اور تشکیکیوں کے آراء و افکار مسلمانوں میں متعارف ہوئے ہیں۔ افلاطون کی تیماؤس کی شہرت بہت بڑی حد تک اسی کی کوششوں کی مرہونِ منت ہے۔ اس رسالے کی جو شرح اس نے لکھی، اس کی وجہ سے یہ کتاب قدیم دور کے اواخر میں سریانی اور عربی ادب میں معروف ہو گئی۔ اسلامی دور کے منطق اور مترجم منطق کے بارے میں جالینوس کے آثار کے بہت طلبگار تھے۔

اسلامی فلسفیوں نے ارسطو کو صرف خود اس کے آثار اور مشائیوں کی کتابوں کے ذریعے پہچانا تھا، لیکن اس میں شک نہیں کہ اسلامی فلسفیوں کے جو افکار و عقاید ہم تک پہنچے ہیں وہ ارسطو کے افکار و عقاید سے متفاوت ہیں۔ مکتبِ اسکندرانی مسلمانوں اور ارسطو کے درمیان ایک واسطہ بنا اور اسی واسطے نے مسلمانوں پر بڑی قوت سے اپنا اثر ڈالا۔ فلسفیوں پر اسکندرانی مکتب کا اثر خاص طور سے اس بنا پر زیادہ تھا کہ یہ اثر براہ راست قبول کیا گیا تھا اور مزید برآں

(حاشیہ نمبر ۱ از صفحہ ۱۷) [5] جالینوس طبیب کا ہم عصر تھا۔ اپنے عہد کا عظیم المرتبت فلسفی تھا۔ ارسطو کی کئی کتابوں کی تفسیر لکھی۔ اس کی تصانیف اس قدر مقبول ہوئیں کہ عہدِ روما سے لے کر آج تک مسلسل فلسفیوں کے زیرِ مطالعہ رہیں۔ تاریخ افکار ص ۸۰

کتب اسکندرانی کی ایسے افکار و خیالات سے تشکیل ہوئی تھی جو مذہب کی ترقیات سے میل کھاتے تھے یعنی ان افکار عقاید اور مذہب کی روایات میں یکسانیت پائی جاتی تھی۔ اس کا ایک سبب یہ ہے کہ اسلامی فلسفی ارسطو کے بظاہر براہ راست شاگردوں جیسے ایفروڈیس، تھیمسٹیوس، آمونیوس، سمپلیکیس اور یحییٰ نحوی سے زیادہ واقف نہیں تھے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، کیونکہ اسکندرانی شارحین ان کے اسلاف کے بلا واسطہ اور نزدیکی ساتھی تھے۔ شہرستانی فرفوریوس تھیمسٹیوس (ثامسطیوس) کا تحسین آمیز الفاظ میں ذکر کرتا ہے اور انھیں ارسطو کے صاحب نظر شارحوں میں شمار کرتا ہے، لیکن شہرستانی کا یہ خیال ہے کہ انھوں نے ارسطو کو اور نوافلاطونی عقاید کو ایک ہی سمجھا ہے۔ فارابی[1] نے آمونیوس کا صراحت سے ذکر اور اس کے نظریات سے اخذ و اقتباس کیا ہے۔ یحییٰ نحوی نے آفرینشِ جہان کا اپنا نظریہ پیش کیا اور اس ضمن میں ارسطو کے فلسفے سے اختلاف کیا۔ اس وجہ سے وہ متکلموں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا سکا ہے۔ صرف اسکندرانی شرحوں کے طفیل غالباً ارسطو کی ارغنون عربی میں متعارف ہوئی۔ یہ شرحیں بعض لحاظ سے ارغنون کا تکملہ تھیں اور ارغنون کے ترجمے کے ساتھ ہی ساتھ عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ جہاں تک ان دوسری نوافلاطونی شرحوں اور تفسیروں کا تعلق ہے جو مسلمانوں کی نظر میں ارسطوئی عقاید کا لازمی حصہ تھیں۔ ان کا معاملہ اس سے مختلف نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ مکتب اپنے خاص تاریخی اور جغرافیائی حالات کی وجہ سے اپنے فلسفی نظاموں اور تحریروں کو دنیائے اسلام میں شائع کر سکا ہے۔

اگر ارسطوئی فلسفہ، اسلامی فلسفیانہ عقاید کا ایک بنیادی رکن ہے تو افلاطونی اور نوافلاطونی فلسفہ اسلامی فلسفے کے لیے ایسے مواد اور مصالح کی تشکیل کرتا ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس نوافلاطونی فلسفے کے مزاج کو مدتوں پہلے سمجھ لیا گیا تھا، لیکن یہ اب تک،

---

[1] ابو نصر محمد بن فارابی ملقب بہ معلم ثانی ۲۶۰ھ/ ۸۷۴ء میں فاراب میں پیدا ہوا۔ یہ اسلامی دور کے عظیم فلسفیوں میں شمار ہوتا ہے اس کی وفات ۳۳۹ھ/ ۹۵۰ء میں ہوئی۔

معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ افلاطینی [illegible] کا زمانہ تصنیف کیا ہے
کبھی ان ذرائع اور ماخذ کی تلاش [illegible] اسکے اثولوجیائے منحول اور کتاب العلل
کی جاتی ہے۔ افلوطین[1] (افلاطون الیونانی) کے بارے میں کہنا چاہیے کہ اس کی تصانیف کا
ترجمہ ہرگز عربی زبان میں نہیں ہوا خواہ شہرستانی اسے ہر چند مکتب اسکندرانی کا
قرار دے اور اس کے بعض اہم ترین نظریات کی طرف اشارہ کرے۔ اثولوجیائے منحول
اور کتاب العلل نے بلاشک وشبہ اس کے آراء وعقاید کی گونج کو اسلامی دنیا کے فلسفیوں
کے کانوں تک پہنچایا، لیکن ان دو کتابوں کے علاوہ اسکندرانی فلسفیوں کی ان تفسیروں کا
ذکر بھی ضروری ہے جنھوں نے اس مسخ شدہ ارسطوئی فلسفہ کو جو افلاطونی، رواقی اور نو افلاطونی
عقاید وافکار سے مشتبہ ہو گیا تھا مسلمانوں تک پہنچایا۔ یہ ایسا موضوع ہے جس پر ابھی تک غور
نہیں کیا گیا ہے۔ جس وقت فرفوریوس یا سمپلیکیوس ارسطو کے فلسفے کی شرح وتوضیح کرتے تھے
تو خود کو اپنے تمام آراء وعقاید سے آزاد نہیں کر لیتے اور اپنے عقاید کو مکمل طور پر چشم پوشی نہیں
کر لیتے۔ اس لیے دوسری صدی میں ارسطو کے فلسفے کی از سر نو اشاعت جو راوسون
(Ravaisson) اور رینان کے ہاتھوں عمل میں آئی وہ فلسفۂ ارسطو کی خالص اور
بے لاگ شکل وصورت نہیں تھی۔ مکتب اسکندریہ کے شارحین نے ہمیشہ کوشش کی کہ افلاطونی،
مشائی اور رواقی مکاتیب فلسفے کو ایک جگہ جمع کریں اور ان میں ہم آہنگی پیدا کریں۔ ہمارا خیال
ہے کہ اسلامی فلسفے کے بنیادی نظریات کو واضح طور پر پیش کرنے کے لیے یہ لازمی ہے کہ اسکندرانی
اور مشائیوں کی شرحیں ہمارے سامنے ہوں۔ چونکہ جب تک یہ شرحیں ہمارے سامنے نہیں ہوں گی
اس وقت تک اسلامی دنیا میں فلسفیانہ افکار کی تاریخ پر ہمارے نظریات وخیالات ناقص
اور غیر تحقیقی ہوں گے۔

---

[1] افلوطین یا فلوطین۔ نو افلاطونی مکتب کا ایک فلسفی تھا۔ مصر میں مقیم رہا۔ امونیوس ساکاس کی
خدمت میں رہا اور ہندوستانی حکمت کا خواہاں تھا۔

منطق میں مسلمان کم از کم بلا واسطہ طور پر نہ تو رواقیوں کے 'جدل' سے اور نہ ہی ابی قور کے 'معیار' سے واقف تھے۔ یہ کہنے کی ضرورت بھی نہیں کہ نو افلاطونی مفکروں نے منطق کے میدان میں اپنا مخصوص نظریہ پیش نہیں کیا۔ ان کا اپنا عرفان ایک حد تک اس امر کے خلاف تھا جبکہ افلوطین کا 'جدل'[1]، بیشتر مابعد الطبیعی اور ماورا تجربہ تھا جس کتاب نے مکمل طور پر اسلامی منطق کے بنیادی اصولوں کی تشکیل کی وہ ارسطو کی کتاب ارغنون تھی، لیکن یہ صورت حال اسکی بعد عمل میں آئی جب متقدم شارحوں اور مفسروں نے اس کتاب کے بارے میں اپنا تجزیہ اور توضیح پیش کی۔ ابن ندیم نے ہندوستانی کتابوں کی ایک طویل فہرست میں ایک کتاب کا ذکر کیا ہے جس کا نام "حدود منطق الہند" ہے۔ کیا یہ کتاب، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے، درحقیقت منطق کے موضوع پر تھی؟ اس کا جواب ہم قطعی طور پر اقرار میں نہیں دے سکتے چونکہ لفظ منطق گفتار و زبان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ بہرحال اگر یہ کتاب واقعی طور پر منطق ہی کے موضوع سے بحث کرتی تھی تو اس کا امکان یہ ہے کہ یہ کتاب گوتما (Gotama) کی نیایا (Nyaya) ہی ہوگی[2]۔ اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا اس کتاب کا عربی میں ترجمہ ہوا تھا یا نہیں؟ اس سلسلے میں جو احساس ذہن پر غالب آتا ہے وہ یہ ہے کہ اس سوال کا منفی جواب دیا جائے چونکہ اس کتاب کے نقوش و اثرات عربی ادب میں کہیں نظر نہیں آتے اور خود ابن ندیم بھی اس کے عربی ترجمے کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔

---

[1] رواقیوں کے جدل، ابی قور کے معیار اور افلوطین کے جدل وغیرہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو داستانِ دانش، ص ۱۸۵، ۱۹۹۔ بہرحال ان الفاظ سے مراد غالباً ان فلسفی نظاموں کا طریقۂ کار اور دوسرے نظاموں سے ان کی کشمکش ہے۔

[2] نیایا سوترا یہ ہندوستانی فلسفے کی کتاب اکش پادہ گوتما سے منسوب ہے۔ اس کے بارے میں اطلاع مفقود ہے۔ اس کی تاریخ تصنیف چوتھی صدی عیسوی ہے۔ اس کے بعض حصے قدیم زمانے کے آثار معلوم ہوتے ہیں۔ اس کتاب میں ہندوستانی منطق کا نظام نیایا بیان کیا گیا ہے۔

۵۔ عربی تراجم کی ارزش | عربی تراجم کے بارے میں تاریخ نے ہمارے لیے نہایت مواد محفوظ نہیں رکھا ہے۔ اس سلسلے میں جو کچھ تھوڑا بہت محفوظ بھی ہے وہ دنیا کے چاروں کونوں میں منتشر اور مشرق و مغرب کے کتب خانوں میں منقسم ہے۔ بہتر تو یہی ہے کہ اس مواد اور کتابوں کے اصل متون کے ساتھ مقابلے سے پہلے ہم ان عربی تراجم کے بارے میں کوئی قطعی اور آخری رائے نہ دیں لیکن اپنے تازہ مطالعات اور حال ہی میں دستیاب ہونے والے نسخوں کے تجزیے اور اس کے علاوہ اسلامی دور کے تراجم کے اسلوب کو قطعی انداز میں سمجھنے کے بعد ہم نے اپنے آپ کو یہ اجازت دی ہے کہ اس سلسلے میں کچھ مزید عرض کریں۔

اسلامی دور کے مترجمین کی دقتِ نظر، اخلاقی اوصاف اور نہایت وسیع معلومات کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے تو ان سب سے زیادہ قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ ان مترجمین نے ترجمے کے میدان میں مکمل طور پر علمی روّیے کی پیروی کی ہے۔ ایک ہی متن کو چند مختلف مترجموں نے ایک دوسرے سے متفاوت منابع کو سامنے رکھ کر عربی کا لباس پہنایا ہے۔ ایسی صورت میں یہ مترجم اُن ترجموں پر جو ان سے قبل جلدی میں کیے گئے تھے یا یہ تراجم ایسے لوگوں نے کیے تھے جو بہتر صلاحیتوں کے حامل نہیں تھے، تجدیدِ نظر یا ان کی تصحیح کیا کرتے تھے۔ اس صورت حال کو سمجھنے کے لیے بعض اعداد و شمار بڑی حد تک مدد کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر تیئیس (۲۳) اشخاص نے ارسطو کی تصانیف کا یہ پہلی بار ترجمہ کیا ہے یا ان پر تجدید نظر کی ہے۔ ان تیئیس مترجمین میں آدھے سے زیادہ یونانی زبان جانتے تھے۔ دنیائے اسلام میں ارسطو کی بیس متعارف کتابیں تقریباً (۸۸) بار عربی میں منتقل کی گئی ہیں۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ ارسطو کی ہر کتاب کے تقریباً چار سو سے زیادہ تراجم کیے گئے۔ یہی صورت حال جالینوس کی تصانیف کے ساتھ پیش آئی۔ ان اعداد و شمار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ اشخاص کس قدر فعالیت سے کام لیا کرتے تھے اور ان کی یہ کوششیں کس حد تک قابلِ قدر اور پر ارزش ہوتی تھیں۔ ایک ہی متن کے جو مختلف ترجمے آج دستیاب ہیں ان کی مدد سے اس متن کے سلسلے میں تقابلی مطالعہ اور

گہری تحقیق ممکن ہوگئی ہے۔

عربی تراجم پر عام طور سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ بیشتر سریانی تراجم پر مبنی ہیں۔ اور اس وجہ سے اصل سے چنداں مطابقت نہیں رکھتے۔ یہ ظاہر ہے کہ سریانی ادبیات، یونانی اور عربی زبانوں کے درمیان ایک واسطے کی حیثیت رکھتا تھا اور اسی زبان نے یونانی فکر کے آخری آثار کو زمانے کی دست برد سے محفوظ رکھا ہے۔ پانچویں صدی عیسوی میں اوساکی درسگاہ میں مشّائی فلسفہ، زبان کی گرائمر، خطابت، موسیقی، طب اور نجوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ تحقیق و مطالعے کے اس مرکز میں خاص طور پر منطق کو اہم مقام حاصل تھا۔ اسلام کی آمد سے دو صدی قبل ارسطو کی کتاب ارغنون کے چند حصے سریانی زبان میں منتقل ہوئے تھے۔ اسلام میں علمی تحریک کے بیشتر علمبردار نسطوری یعنی سریانی تھے۔ قدرتی بات ہے کہ اِن روشن دِل راہنماؤں نے سب سے پہلے اپنی زبان میں موجود منابع اور ایسے مآخذ سے رجوع کیا جن سے وہ واقف تھے۔ چونکہ سریانی نسبتاً کم مایہ اور تہی دست تھی اور اس میں یونان کی تمام تصانیف موجود نہیں تھیں اس کے نتیجے میں اس زبان کے ادب نے اسلامی دنیا کے وسیع مطالعات کی ضروریات کو پورا نہیں کیا۔ بہت سے یونانی آثار، یونانی زبان سے براہِ راست عربی میں منتقل ہوئے تھے چونکہ اُن کے سریانی تراجم دستیاب نہیں تھے۔ مثلاً:

ارغنون کے صرف ایساغوجی، ارمینیاس اور آنالوطیقائے اول ایسے ابواب تھے جو سریانی میں متعارف تھے۔ مسلمانوں نے بعد میں یونانی منابع سے استفادہ کرنے کے بعد اس کتاب کو مکمل طور پر عربی زبان میں ترجمے کرنے کا ڈول ڈالا گیا۔ اسی طرح، جیسا کہ مجھے علم ہے، کسی بھی یونانی زبان کی ریاضی پر کتاب کا عربی میں ترجمہ سریانی زبان کے واسطے سے نہیں ہوا۔ بعد کے ادوار میں سریانی زبانوں نے خود کو عربی زبان کے وسیلے سے مالا مال کیا اور اس طرح وہ زبان جو کبھی خود عربی زبان کے لیے اخذ و اقتباس کا ذریعہ تھی، اب اسی سے اپنا دامن بھرنے لگی۔ اسلامی دور کی تحقیقات نے بلاشبہ سریانی ادب کو ایک حیاتِ تازہ بخشی۔ اس کے باوجود

عربوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ وہ یونانی کتابیں جو قبلاً سریانی زبان میں ترجمہ ہو چکی تھیں ان کو اسی صورت میں قبول کر لیں۔ بلکہ انھوں نے یہ کوشش کی کہ ایسی کتابوں کے اصل سریانی سے ترجمے کریں۔ حنین یہ اطلاع دیتا ہے کہ اس نے قدیم غلط سریانی تراجم کی اس کے اصل یونانی متون سے مقابلہ کرنے کے بعد تصحیح کی ہے۔ اس زمانے میں اسلامی دنیا کے اندر خلفا اور سربرآوردہ اشخاص میں اصل متون کی حصولی اور ان کے عربی تراجم حاصل کرنے کے لیے ایک قسم کی رقابت حکم فرما رہی ہے۔

اِن تمام حقایق کے باوجود بعض مترجمین نے ترجمے کے کام میں بلاواسطہ طریقہ کار نہیں اپنایا اور اس وجہ سے کہ ان کا یہ کام براہ راست انجام نہیں دیا گیا، دل میں اعتماد و اعتبار پیدا نہیں کرتا۔ اس قسم کے مترجم عام طور پر یونانی زبان سے سریانی زبانوں میں ترجمہ کیا کرتے تھے اور اس کے بعد سریانی ترجمے سے عربی میں ترجمہ ہوتا تھا اور یا پھر اسی سریانی ترجمے پر اکتفا کیا جاتا تھا اور سریانی سے عربی میں ترجمے کو دوسروں کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ اب ممکن ہے یہ تصور ذہن میں ابھرے کہ یہ مترجم محسوس کرتے ہوں گے کہ وہ اس قدرت و تبحر کے حامل نہیں جو یونانی زبان سے عربی میں بلاواسطہ ترجمہ کرنے کے لیے لازمی ہے، لیکن ایسا تصور بے بنیاد ہے حقیقت یہ ہے کہ سریانی سے ترجمہ کرنے کا رواج بیشتر ترجمے کے اسلوب کے تقاضوں کو پورا کرنے کی وجہ سے تھا یا پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی وجہ خود مترجمین کی یہ خواہش تھی کہ وہ جدید علمی ذخیروں کو اپنی زبان میں منتقل کریں۔ پہلی وجہ کے سلسلے میں کہنا چاہیے کہ تقریباً تمام مترجم سریانی زبان جانتے تھے جبکہ ان میں ایسے اشخاص کی تعداد بہت کم تھی جو یونانی زبان سے واقف ہوں۔ اس لیے حالات کا یہی تقاضا تھا کہ یونانی جاننے والے یونانی متون کو پہلے کسی دوسری زبان میں، جس کی مدد سے عربی میں ترجمہ کرنا آسان تر ہو، منتقل کریں۔ یونانی زبان کے آثار سریانی سے عربی میں منتقل ہوئے اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ مترجم عربی سے واقف نہیں تھے بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ اس طرح دوسروں کی ضروریات بھی پوری ہو جاتی تھیں اور ایک قسم کا روحانی

ترجمہ موجود تھا۔ اس میں بھی شک نہیں کہ مترجم، جن میں اکثر سریانی تھے، چاہتے تھے کہ عربی زبان کو مالا مال کرنے کے ساتھ ساتھ وہ خود اپنی زبان کو بھی وسعت دینے اور مالا مال کرنے کی کوشش کریں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف یونانی بلکہ عربی متون کو بھی اپنی سریانی زبان میں منتقل کیا ہے حتیٰ کہ ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ ان مترجمین نے پہلے یونانی سے عربی زبان میں اور اس کے بعد اپنے عربی تراجم کو سریانی زبان میں منتقل کیا ہے۔

یہ طریقہ کار، جس کی طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا، حنین نے بہت زیادہ برتا ہے، لیکن عجیب بات ہے کہ یہ مترجم، جس نے عربی زبان نسبتاً دیر میں سیکھی تھی، کس طرح اس قدر صراحتِ بیان اور زیبائی انداز کے ساتھ عربی میں لکھ سکا ہے۔ اس کی شرحوں اور تفاسیر کے وہ حصے جو ہم تک پہنچے ہیں، اس کے اندازِ بیان کی فصاحت و ایجاز کے حیرتناک نمونے ہیں۔ ہم اس ضمن میں قاری کی توجہ اس کے ایک رسالے کی طرف مبذول کرانا چاہیں گے جو اس نے جالینوس کے آثار کے بارے میں لکھا ہے اور جس میں اس کا اندازِ تحریر، بیانِ محکم، استوار اور مکمل ہے۔

حنین کے تراجم کی کیفیت و نوعیت کے بارے میں ہم برگشتراسر (Bergstrasser) کی گواہی پر اعتماد کریں گے، جو اس ضمن میں بہت بڑی سند کی حیثیت رکھتا ہے اور جس نے حنین کے تراجم کا ان کے اصل یونانی متون سے مقابلہ کرنے کے بعد اُن کی صحت اور اعتبار پر شہادت دی ہے۔ اس کے علاوہ برگشتراسر، سیمون (J. Simon) کے اس الزام کی تردید بھی کرتا ہے کہ حنین نے اپنے تراجم میں مناسب الفاظ کا انتخاب نہیں کیا اور عامیانہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حنین کو وضاحتِ مطالب کا اتنا پاس تھا کہ اس نے کبھی کبھی معمولی سے الفاظ استعمال کیے ہیں اور کوشش کی ہے کہ حقِ مطلب کو زیادہ وفاداری کے ساتھ ادا کیا جائے۔ چاہے اس عمل میں اسے اپنے اسلوب کی زیبائش ہی کو کیوں نہ قربان کرنا پڑے۔ بہرحال برگشتراسر کا خیال ہے کہ اس کے تراجم صحت و اعتبار کے لحاظ سے بلند پایہ ہیں اور یہ تراجم

دلی ہیں یہ احساس پیدا کرتے ہیں کہ صحتِ الفاظ و بیان کی مختلف [illegible]
کہ الفاظ و تعبیرات حنین کے اطمینان بخش اور براہِ راست [illegible]
میں اس کے تراجم، بعد ان، پدست اور لفظی [illegible] ہیں اور خود [illegible]
ہے اس کے تراجم میں فصاحت نظر آتی ہے۔ حنین کے تراجم کی ان خصوصیات کا [illegible]
اسلامی دور کے تراجم پر اطلاق کیا جا سکتا ہے چونکہ یہ تراجم یا تو خود حنین نے کیے ہیں [illegible]
اسی کے ادارے میں ان کی تصحیح و تنقیح ہوئی ہے۔

ارغنون کا وہ اہم خطی نسخہ جو پیرس کی نیشنل لائبریری میں محفوظ ہے، اسلامی مترجمین کے لیے مایۂ افتخار ہے۔ یہ نسخہ اپنی نوعیت کا واحد نسخہ ہے اور دوسرے ماخذ کے مقابلے میں اس نسخے سے ہم عربی تراجم کے بارے میں زیادہ بہتر طور سے انصاف کر سکتے ہیں۔ یہ ایک ایسے موضوع کے بارے میں ہے جس میں تفنن لفظی کی گنجائش نہیں۔ بہت سے شرق شناس اور معاصر دانشوروں نے اس کے بعض حصوں کو شائع اور ان پر تبصرہ کیا ہے اور سب ہی نے اس کی تعریف کی ہے۔ مونک (Munk) نے ایک جگہ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ: اس گرانبہا نسخے کی تنقیدی حیثیت پر اگر ایک اجمالی نگاہ ڈالی جائے تو بہت بڑی حد تک ہم اس حقیقت کے قائل ہو جاتے ہیں کہ عربوں کے پاس نہایت صحیح اور توجہ سے کیے گئے تراجم موجود تھے۔ اس وجہ سے [illegible] والے جنھوں نے ان تراجم کا مطالعہ کیے بغیر انھیں ابتدائی، بیکار اور غیر پختہ نوعیت کا قرار دیا ہے زبردست غلطی کا شکار ہیں۔ اس قسم کے لکھنے والوں نے اپنی رائے کو لاطینی زبان کے ایسے تراجم کی بنیاد پر تشکیل دیا ہے جو عربی زبان سے نہیں بلکہ عبرانی زبان کے تراجم سے لاطینی میں منتقل کیے گئے ہیں۔

مذکورہ بالا نسخہ عربی میں ارغنون کا سب سے قدیم ترجمہ ہے۔ اس وجہ سے ہم اسی کو اسلامی دنیا میں منطق سے متعلق مطالعات کے آغاز کا اندازہ لگانے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ ترجمہ چند مترجمین کی کوششوں کا حاصل ہے جن کی زبان اور اسلوب [illegible]

[illegible] تھا، لیکن انھوں نے مکمل یونانی متن کو صراحت، توجہ اور بغیر کسی غلطی کے عربی میں منتقل کیا ہے۔ یہ نسخہ ترجمے کے کام میں دیانت داری برتنے کی بہترین مثال ہے۔ اس میں صرف چند مختصر عبارتیں ایسی ہیں جہاں مترجم اصل عبارت کا صحیح طور پر مطلب نہیں سمجھ سکا ہے مترجم اس ترجمے میں اصل متن کا اس قدر پابند رہا ہے کہ کہیں تحت اللفظ ترجمہ ہی اس کے قلم سے نکلا ہے۔ اس ترجمے کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر عربی زبان کا مترجم ہمیشہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوا تب بھی اس نے اصل مطلب کے اظہار میں ہمیشہ دیانت و امانت سے کام لیا ہے۔ اس نسخے میں ایک قابلِ توجہ نکتہ یہ بھی ہے کہ اس کے مترجم وہ الفاظ استعمال کرتے ہیں جو اسلامی فلسفے میں مستقل حیثیت رکھتے ہیں یا ان سے مشابہ ہیں۔ اس اعتبار سے بھی یہ ترجمہ بہت اہمیت کا حامل ہے کہ اس کی مدد سے اسلامی علوم میں مستعمل الفاظ و کلمات کی تشکیل کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے۔

اسلامی دور کے مترجمین کی دُہری ذمّے داری تھی۔ ایک یہ کہ وہ اصل متون سے صحیح روایت پیش کریں۔ دوسری یہ کہ نئے اور جدید مقام پر مناسب الفاظ و کلمات کو منطبق کریں۔ اس میدان میں بھی انھوں نے اپنی صلاحیت اور ہوشمندی کا سکّہ جما دیا ہے۔ اوائل میں انھوں نے یہ الفاظ عربی زبان سے مستعار لیے۔ اس طرح عربی زبان کی وسعت اور لچک داری کی خصوصیات کی بنا پر انھوں نے نئے الفاظ ڈھالے جن کا اس زمانے میں بہت رواج ہو گیا۔ اس کے برخلاف اگر کبھی عربی نے مناسب الفاظ کی فراہمی میں ان کا ساتھ نہیں دیا تو انھوں نے دوسری زبانوں سے مدد لی۔ یہی وجہ ہے کہ یونانی، سریانی، فارسی اور ہندوستانی الفاظ اسلام کے جدید علوم میں راہ پا گئے۔ اس صورتِ حال کا اندازہ لگانے کے لیے خوارزمی کے ایک مختصر رسالے "مفاتیح العلوم" پر نظر ڈالنی کافی ہوگی۔ یہ اپنی نوعیت کے سب سے قدیم رسالوں میں شمار ہوتا ہے اور اس میں اسی قسم کے نئے الفاظ کے نمونے نظر آتے ہیں۔ مسلمانوں نے وہ تمام علوم جو دوسروں سے اخذ کیے، ان کے بعض فنی الفاظ مستعار لیے چونکہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مفاہیم

الفاظ سے معانی نہیں لیے جا سکتے۔ اِن الفاظ کی مدد سے پہلا جو [illegible]

کتاب پہلی بار سریانی سے عربی میں منتقل ہوئی تھی یا یونانی زبان سے۔ اس نوعیت کی [illegible]

علوم اسلامی کے آخذ پر بھی گرانقدر روشنی پڑے گی۔ یادستارک [illegible]

نے اثولوجیا سے منحول کر سامنے رکھ کر اس قسم کی تحقیق کی ہے۔ اس کے بارے میں آگے

اشارہ کریں گے۔

سریانی، فارسی اور ہندوستانی الفاظ کے علاوہ، عربی تراجم میں متعدد یونانی مصطلحات بھی نظر آتی ہیں جو یا تو اپنی اولین صورت میں استعمال کی گئی ہیں یا ایک نئی ہیئت اور شکل و صورت کے ساتھ عربی ادبیات میں راہ پاگئی ہیں۔ عربی داں دانشوروں نے اس قسم کی اصطلاحات کی فہرست تیار کی ہے اور کیمیا اور طب کی عربی کتابوں میں اُن کے استعمال کی نشاندہی بھی کی ہے۔ مثلاً فلسفے میں ہیولا، اسطقس، فانطاسیا، ناموس، لوقیا جیسے الفاظ کے استعمال سے ہم بآسانی یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کا سرچشمہ کون سی زبان ہے۔

یہ حقیقت پیشِ نظر رہے کہ علمی اصطلاح خود زمانے کی دین ہوتی ہے۔ ایک اصطلاح جس قدر استعمال میں آتی ہے اسی قدر وہ اپنی جگہ بناتی ہے۔ اسی طرح اس سے پہلے کہ ایک اصطلاح اپنا مستقل مقام بنائے، وہ ایک حالت سے دوسری حالت میں پے در پے تبدیل ہوتی رہتی ہے، تب کہیں جاکر آخرکار اپنے اصل مقصد سے مطابقت اور اصل موضوع سے ہم آہنگی پیدا کرتی ہے۔ عربی کی فنی اصطلاحات بھی تحول و تغیر کے ایسے ہی گوناگوں مراحل سے گذری ہیں۔ ان کی آخری شکل، ترمیم و تنسیخ کے ایک طویل سلسلے کا نتیجہ ہے۔ مثلاً ارسطو کے (ουσια)[1] کا پہلے 'عین' ترجمہ کیا گیا تھا جو دراصل عربی لفظ ہے، لیکن یہ لفظ ایک مختلف مفہوم کا حامل تھا۔ اس لیے فارسی زبان کے لفظ 'جوہر' نے اس کی جگہ لی اور بعد کے ادوار میں اسلامی فلسفے اور

---

[1] اس یونانی لفظ کا تلفظ (ουσια) ہے۔ اسی کا ترجمہ عین اور پھر جوہر کیا گیا۔

علوم کی زبان میں یہ لفظ خوب استعمال ہونے لگا۔ یہ ذہن میں رہے کہ چوتھی صدی کے بعض متکلمین، خاص طور پر اشعری فلسفیوں سے مخالفت کی وجہ سے، ارسطو کے مفہوم جوہر کے لیے لفظِ عین ہی استعمال کرتے تھے۔ خوارزمی کے بقول پانچویں صدی اور اس کے بعد کسی نے کلمۂ عین استعمال نہیں کیا اور یہ لفظ اس معنی میں آج تک منسوخ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ الفاظ میں بھی مفاہیم کی طرح ایک قسم کی کشمکش جاری ہے اور اس کشمکش میں زیادہ واضح، مطلب کو بہتر طور پر ادا کرنے اور موجز الفاظ دوسرے الفاظ کی جگہ لیتے ہیں۔ بہرطور مترجمین نے اسلامی علوم کی اصطلاحات کی تشکیل اور تکامل میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ الفاظ کا یہ رول اب تک واضح طور پر ہمارے سامنے نہیں آیا ہے۔ امید ہے کہ اس کے بارے میں ہمارے معروضات ایک حد تک کافی ہوں گے۔

اسلامی دور کے مترجم ایک دوسری مشکل سے بھی دوچار ہوئے، جسے حل کرنے کے لیے وہ آمادہ نہیں تھے اور یہ مشکل تھی اصل کتابوں کو غلط طور پر دوسروں سے منسوب کتابوں سے ممتاز کرنے کی۔ اس کے باوجود ان مترجمین نے اپنی حقیقت دوستی اور نسبتاً زیادہ مہارت کی بنیاد پر یہ مسئلہ بھی حل کیا ہے۔ ایک قسم کی تنقیدی روح نے انھیں اس قابل بنایا کہ وہ ایسی کتابوں کی شناخت کریں جن کے اصل ہونے میں شک و شبہ تھا۔ مثال کے طور پر حنین، جالینوس کے اسلوب سے اس طرح واقف تھا کہ وہ آسانی سے قطعی طور پر یہ بتا سکتا تھا کہ یہ کتاب اس عظیم یونانی طبیب کے قلم کا نتیجہ ہے یا نہیں۔ اپنی اس واقفیت کی بنا پر اس نے ایسی چند کتابوں کو جو غلط طور پر جالینوس سے منسوب تھیں، اس کی اصل کتابوں سے جدا کر دیا۔ اس کے باوجود یہ تنقیدی رویہ ہمیشہ کارآمد ثابت نہیں ہوتا اور فاحش غلطیاں برقرار رہتی ہیں۔ خاص طور پر اثولوجیائے منحول اور کتاب العلل کے بابے کی کتابوں کے غلط انتساب کا پتا نہیں لگایا جا سکا۔ ان دونوں کتابوں نے، جو غلط طور پر ارسطو سے منسوب تھیں، قرونِ وسطیٰ میں مشائی فلسفے کو بہت زیادہ اشتباہات سے آلودہ کیا۔ اسلامی فلسفی اور مترجم اس کتاب کے غلط انتساب کو محسوس

نہیں کر سکے اور انھیں الٰہیاتی علوم عالیہ کے [illegible] قرار دیا گیا۔ [illegible]
بند کر کے اِن کتابوں کو ارسطو کے قلم کا نتیجہ سمجھا گیا۔ لیکن اس انتساب میں [illegible]
سب ہی کی وجہ سے اسلامی دور کے مترجمین کا قصور بہت زیادہ [illegible]
کتابیں سب سے پہلے سریانیوں نے ارسطو سے منسوب کیں۔ اس کے نتیجے میں ہم [illegible]
ہیں کہ یہ سریانی تھے جنھوں نے مسلمانوں کو اس غلطی کا مرتکب بنایا۔ اُثولوجیا [illegible] کے
بارے میں یہ عرض کیا جانا چاہیے کہ بادستارک (Baumstark) نے جس طرح قطعی
انداز میں صراحت کی ہے اس کے بعد اس میں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ مسلمانوں
کی اس غلطی کے ذمّے دار سریانی تھے۔ بادستارک نے اس کتاب کی بعض فنی اصطلاحات
کے تجزیے سے یہ ثابت کیا ہے کہ اثولوجیا کا سب سے قدیم عربی ترجمہ اس کے سریانی ترجمے
کی بنیاد پر کیا گیا تھا۔ خود کتاب العلل بھی سریانی زبان کے وسیلے سے عربی میں منتقل کی گئی
تھی۔ اس بارے میں خاص طور پر یہ قوی شہادت ہو گی کہ اس کتاب کا موضوع سریانی
متکلمین کے افکار سے مکمل مطابقت رکھتا ہے۔ اس وجہ سے یہ بات دل کو لگتی ہے کہ
کتاب العلل کا عربی ترجمہ بھی سریانی ترجمے سے کیا گیا تھا۔ اس طرح سریانی زبان نے جہاں
عربی ادب کی خدمت انجام دی وہاں اس قسم کے اشتباہات بھی اس کے ذریعے عربی ادب
میں داخل ہو گئے اور سریانی زبان کے وسیلے سے اگر بہت سی علمی اور فلسفیانہ کتابیں عربی
میں منتقل کی گئیں تو اسی کے ساتھ مسروقہ تحریریں بھی اسی زبان کے ذریعے عربی میں رائج ہوئیں۔
بہرحال ہم جو کچھ اسلامی دور کے مترجمین کے بارے میں عرض کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ مترجم
سہو و خطا سے مبرّا تھے اور اپنے کاموں میں دقّتِ نظر اور دیانت جیسی شرائط کو انتہائی
فرض شناسی کے ساتھ برتتے تھے۔

اسلامی دور کے مترجمین نے ترجمہ کرنے کے اپنے بنیادی فرائض پر ایک دوسری خدمت
انجام دینے کا اضافہ بھی کر دیا۔ یہ مترجم چونکہ علم و دانش کی اشاعت کے خواہاں تھے اس لیے

انھوں نے مختلف علوم پر جیسے طب، علوم طبعی، کیمیا، نجوم، ریاضیات اور فلسفے پر بہت سی کتابیں خود بھی تصنیف و تالیف کیں۔ یہ کتابیں کہنا چاہیے کہ ان کے مطالعات کا ماحصل تھیں۔ نیز وہ کتابوں کے نام بھی ایسے رکھتے تھے جن سے ان کے انکسار کا احساس ہوتا تھا۔ بہر حال ان تصانیف نے اسلامی دنیا میں عقلی مطالعات کی شعاعوں کو پہنچایا اور اسی طرح انھوں نے اس زمانے کے مسلّمہ علوم کی مکمل تصویر کا خلاصہ اور اس کی روح کو پیش کر دیا اس کام نے علوم کے ایک طرح ابتدائی نقوش کو غیر متخصص اشخاص میں عام کر دیا۔ اسی کے بعد اہلِ تخصص کی سنجیدہ اور گہری تحقیقات کا دور شروع ہوا اور مسلمانوں نے اپنے گوناگوں علوم پر مدارس و مکاتیب میں آزادانہ کام شروع کیا۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی مترجمین کا کام نہایت اہم اور قابلِ توجّہ ہے۔ ان مترجمین نے ایک عظیم تہذیب کی بنیاد ڈالی۔ ان کے تراجم الفاظ و معانی دونوں کے لحاظ سے نہایت معتبر ہیں۔ ان کا سبب یہ ہے کہ ان مترجمین نے بعض اشتباہات سے قطع نظر یونانی تہذیب و تمدن کو خود اس تہذیب و تمدن کے علمبرداروں کی طرح اسلامی دنیا میں منتقل کیا۔ تاریخ علوم کے لحاظ سے بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان تراجم کی ایک دوسری ارزش بھی ہے جو ان کے دوسرے اہم پہلوؤں سے کسی طرح کم نہیں۔ وہ ارزش یہ ہے کہ ان تراجم نے یونان اور عربستان کے درمیان ایک رابطہ برقرار کیا، عربی علوم عالیہ کو یونانی علوم کی طرف متوجّہ کیا اور مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس طرح ان مترجمین نے عہدِ قدیم کا قرونِ وسطیٰ سے رشتہ استوار کیا۔ ان تراجم ہی کے واسطے سے لاطینی زبان جاننے والے بہت سے کلاسیکی آثار سے روشناس ہوئے۔ آج بھی بعض ایسی یونانی تصانیف کا ہمیں علم ہے جن کا اصلی متن نابود ہو چکا اور جنھیں ان تراجم نے دست بردِ زمانہ سے محفوظ رکھا ہے۔ ایسی تصانیف کے بارے میں اپنی واقفیت کے لیے ہم انھیں تراجم کے احسان مند ہیں۔

ختم شد